

## مطبوعات

سر سید کے مذہبی افکار | تالیف جناب بشیر احمد صاحب ایم۔ اے۔  
 ناشر: ادارہ ثقافت اسلامیہ، گلبر روڈ، لاہور۔ صفحات ۲۹۶  
 (انگریزی)

قیمت دس روپے۔ طباعت عمدہ۔

سر سید کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر کسی زمانے میں بہت کچھ لکھا گیا تھا لیکن کچھ عرصہ کے بعد لوگوں کی دلچسپی اس موضوع سے ہٹ گئی۔ دوسرے نئے موضوعات پیدا ہوتے رہے اور لوگوں کی توجہ اس طرف لگی رہی۔ اب کچھ عرصہ سے بعض حضرات نے سر سید کے معتقدات کی طرف پھر توجہ فرمائی ہے اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان حضرات کو سر سید کی ذات یا ان کے مذہبی خیالات سے کچھ دلچسپی پیدا ہو گئی ہے یا سر سید کی ذات کو وہ لوگوں کے نسیان اور فراموش کاری سے بچانا چاہتے ہیں بلکہ اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سر سید کے اعتقادات آج کل ان حضرات کے لیے بڑی حد تک مفید اور کارآمد ہو سکتے ہیں، جو اسلام میں مغربی افکار داخل کر کے ایک نئی نگرانی و تہذیب کو بنانے کے آرزو مند ہیں۔ اس وجہ سے چند حضرات بڑے جوش و خروش سے سر سید کی زندگی اور ان کے عقائد، معاشرتی تصورات اور کلامی خیالات کی طرف متوجہ نظر آتے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ مناسب وقت ہے کہ سر سید کے خیالات کا نئے سرے سے جائزہ لیا جائے اور ان حالات کو پیش نظر رکھ کر جن سے مجبور ہو کر انہوں نے بعض اوقات افراط و تفریط سے کام لیا ان فیصلوں پر روشنی ڈالی جائے جو انہوں نے ملت کے مستقبل کو بہتر بنانے کے لیے کیے تھے۔ خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ سر سید مرحوم کے زمانہ کے حالات اس وقت موجود نہیں اور مغرب سے پیغامِ عوبیت کے لیے اب کوئی معذرت بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔ خصوصاً مذہبی اور اخلاقی مسائل میں تو معاملہ بالکل برعکس ہے۔

غالباً اسی ضرورت کو ملحوظ خاطر رکھ کر جناب بشیر احمد صاحب ڈار نے یہ کتاب تصنیف فرمائی۔

ہے کہ سرسید کے مذہبی افکار اور اجتہادات کا نئے سرے سے جائزہ لیا جائے اور جو باتیں قابل قبول ہیں ان کو قبول کیا جائے اور جہاں ان سے اضطراب یا اپنے وقت کے ماحول کے اثر سے کوئی کوتاہی ہو گئی ہے اُس پر غور کیا جائے۔ مثلاً انکار معجزات، حضرت عیسیٰ کی پیدائش، حضرت موسیٰ کا سمندر کو اس طرح عبور کرنا کہ پانی دو حصوں میں تقسیم ہو جائے۔ عصا کا اثر دہا بن جانا وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام معجزات کی سرسید نے عقلی تاویل پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو طفلانہ اور مضحکہ خیز سی معلوم ہوتی ہے اور یہ تمام پاٹیر اس لیے بیسے ہیں کہ اسلام میں کوئی چیز خلاف عقل مغربی داخل نہ ہو سکے۔ تاکہ مغربی لوگوں کی نظروں میں سبکی نہ ہو۔ عقل کو پرکھنے کا معیار بھی سرسید نے مغرب سے ہی حاصل کیا تھا۔ اس لیے ان کو مذہب میں تمام مافوق الفطرت اور ماورائی چیزیں دیکھ کر وحشت سی ہوتی تھی غرض کہ سرسید نے اپنی زندگی کا یہ مقصد بنا لیا تھا کہ ہر طرح وہ اسلام کو عین فطرت کے مطابق پیش کریں گے۔ اسی وجہ سے مقام رسالت کے تعین کے بارے میں اُن سے بھاری لغزش ہوئی۔ وہ حضرت جبریل کی پیغام رسانی کے منکر ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ رسول میں خدا کی مرضی معلوم کرنے کی فطری صلاحیت ہوتی ہے۔ اور ان کا دل ایک آئینہ ہوتا ہے جس میں انوار الہی تجلی ریزہ ہوتے ہیں۔ کوئی فرشتہ خدا اور رسول کے درمیان پیغام رسانی کا کام نہیں دیتا۔ سرسید پر لوگ ان کی زندگی میں ان باتوں پر اقرار کرتے، مثلاً ایک خط میں جو تہذیب الاخلاق میں شائع ہوا۔ ایک شخص سوال کرتا ہے: کیا آپ کے نزدیک خدا کی جگہ نیچر کو قائم کرنا۔ ملائکہ اور شیاطین کے وجود سے انکار کرنا۔ دوزخ اور جنت کے وجود کو تسلیم نہ کرنا۔ آدم اور حوا کے قصہ کو افسانہ سمجھنا معجزات کی منہی اڑانا لفر نہیں ہے؟

بشیر احمد ڈار صاحب نے بعض مقامات پر سرسید کے معتقدات کے لیے معذرت پیش کرنے کا رنگ اختیار کیا ہے اور بعض جگہ ان کو سرسید نے کی کوشش بھی کی ہے لیکن بالکل واضح قسم کی کھردریوں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں: سرسید اس جگہ دلائل میں منطقی ربط کی بھی پروا نہیں کرتے جہاں کہ وہ کسی مسئلے میں اپنے پسندیدہ نتائج برآمد کرنے کا ارادہ کر لیں۔

اس سلسلے میں بشیر صاحب نے سرسید کا ایک قول نقل کیا ہے جو رسالہ تہذیب الاخلاق سے لیا گیا ہے اور جس میں سرسید یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ شخص بھی مسلمان کہلانے کا مستحق ہے جو صرف خدا کے واحد میں اعتقاد رکھتا ہو۔ اسلام ایک اتنا سادہ مذہب ہے کہ لاندہمیت بھی اس میں شامل ہے۔ ہر مذہب میں کچھ ایسے رسومات اور اعتقادات ہوتے ہیں جن سے وہ دوسرے مذاہب سے مختلف اور ممتاز ہوتا ہے لیکن اصلی مذہب ان رسومات اور اعتقادات سے پاک ہوتا ہے اور ایسا ہی مذہب اسلام ہے جسے ہم نیچر یا فطرت بھی کہ سکتے ہیں۔ وہ شخص جو کسی رسول یا اوتار یا الہامی کتاب میں یا اعتقادی رسومات میں یقین نہ رکھتا ہو بلکہ صرف خدا کے واحد پر ایمان لائے صحیح معنوں میں مسلمان ہے۔

سرسید کی اسی قسم کی عبارات کی وجہ سے ڈار صاحب کو اپنی کتاب میں یہ بھی لکھنا پڑا ایک جگہ تو وہ خالص مذہبی رنگ میں گفتگو کرتے ہیں لیکن دوسرے مقام پر اس طرح گفتگو کرتے ہیں جیسے خدائے واحد کے تو قائل ہیں لیکن الہامی مذہب کے قائل نہیں اور کہیں ان دونوں اعتقادات کو ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بشیر صاحب کے قول کے مطابق یہ غلط بحث اس لیے پیدا ہوئی ہے کہ سرسید کا خدا کا تصور کچھ تو ان کے مذہبی عقائد کی بنا پر قائم ہوا ہے اور کچھ نیچر کے متعلق مغربی تصورات کا مرہون منت ہے۔ اب یہ بات ذرا غور طلب ہے کہ رسول اور الہامی کتاب پر ایمان نہ لاکر اسلام کس حد تک باقی رہ سکتا ہے حالانکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کو رسول کی اطاعت کے ساتھ وابستہ کیا ہے مثلاً اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔

اسی طرح جہاد کے معاملہ میں بھی سرسید نے بہت بڑی ٹھوکر کھائی ہے۔ ان کے نزدیک جہاد صرف دو صورتوں میں جائز ہے۔ ایک تو اس صورت میں جبکہ کفار اسلام کو ٹھانے کے لیے مسلمانوں پر حملہ کر دیں اور دوسرے اس وقت جبکہ مسلمان کسی کافر کی حکومت میں رہتے ہوں اور ان کو مذہبی فرائض ادا کرنے کی اجازت نہ ہو یا اس میں حکومت کی طرف سے رکاوٹ ڈالی جاتی ہو۔ اس میں بھی

پھر ایک شرط یہ لگا دی ہے کہ اگر وہ مسلمان اس کا فر حکومت کی رعایا ہوں یا صلح سے رہنے کا معاہدہ کر لیا ہو تو بھی ان کو بغاوت کرنے کا حق نہیں ہے ایسی حالت میں صرف وہ یہ کر سکتے ہیں کہ اس حکومت کی حدود سے ہجرت کر جائیں۔ البتہ وہ لوگ جو اس حکومت کی رعایا نہ ہوں اپنے دینی بھائیوں کو آزاد کرانے کے لیے جہاد کر سکتے ہیں۔ پہلی شق میں یہ شرط کہ اگر کفار صرف اسلام دشمنی سے حملہ کریں تو جہاد جائز ہے لیکن اگر صرف توسیع حکومت کے لیے حملہ کریں تو جہاد جائز نہیں کس قدر مضحکہ خیز سی معلوم ہوتی ہے۔ غلام بن جانے کے بعد کسی قوم کی کون سی چیز محفوظ رہ سکتی ہے۔ ذہنی غلامی مستط ہو جاتی ہے جو غلامی کی سب سے زیادہ خطرناک صورت ہے۔ فاتح کے مذہب اور تہذیب کو آہستہ آہستہ غیر محسوس طور پر بالادستی حاصل ہو جاتی ہے "اننا س علیٰ دین مملوک کھڑا ایک ابدی صداقت ہے اور دنیا کی پوری تاریخ اس کی گواہ ہے مفتوح ہمیشہ اپنے فاتح کے دین کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور اس میلان کے مستقل وجوہ و اسباب میں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

اس تبرصغیر میں احادیث کے خلاف جو شک کی ایک عام فضا تیار کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس میں بھی سرسید کا حصہ کسی دوسرے سے کم نہیں ہے۔ احادیث پر ان کا اعتراض بھی وہی ہے جو کمٹریں حدیث کی طرف سے عام طور پر پیش کیا جاتا ہے یعنی جعلی احادیث اس قدر زیادہ ہیں کہ ان میں سے صحیح کا علیحدہ کرنا مشکل ہے۔ ان کا خیال تھا کہ قرآن مجید ہی تمام مسائل کے حل کرنے کے لیے کافی ہے۔ مگر لطف کی بات دیکھیے کہ جن معاملے میں کوئی کمزور سے کمزور بلکہ وضعی حدیث بھی ان کے دل پسند نظریہ کی تائید کرتے ہوئے نظر آتی ہے وہ فوراً اُسے قبول کر لیتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی طرف معراج جبرانی کے انکار کو منسوب کرنا یا تو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ان کا دینی مطالعہ بالکل سطحی تھا یا پھر اپنا مطلب نکالنے کے لیے وہ علمی دیانت کا بھی پاس نہ رکھتے تھے۔

کتاب کے آخری دو صفحات میں جناب ڈار صاحب نے سرسید کے اجتہادات اور خصوصاً احادیث کے بارے میں ان کے نقطہ نظر کو سراہنے کی کوشش کی ہے۔ اس معاملہ میں انہوں نے بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ انداز بیان اس قسم کا اختیار کیا گیا ہے کہ طرفداری کا پہلو نمایاں نہ ہو لیکن

اگر پوری عبارت کو دیکھا جائے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ ان معاملات میں سرسید کے لیے معذرت ہی پیش نہیں کرتے بلکہ پر زور حمایت بھی کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ وہ اہمیت جو جرح و تعدیل کے معیار پر پوری نہ اتیریں انہیں بلاشبہ رو کر دینا چاہیے۔ اور ائمہ اہادیث اس خدمت کو بخوبی سرا انجام دے چکے ہیں اور آج بھی ان احادیث پر نقد کی گنجائش موجود ہے لیکن وہ احادیث جو بالکل صحیح ہیں انہیں کسی مصلحت کی بنا پر یا دین کے اندر کوئی نصت ڈھونڈنے کے لیے نظر انداز کرنا دین کی خدمت نہیں بلکہ دین کی تضحیک و تذلیل ہے۔

جناب ڈاکٹر صاحب انگریزی کے ایک نہایت اچھے انشا پرداز اور مرتب ہیں اور اس کتاب کو جس خوبی کے ساتھ انہوں نے ترتیب دیا ہے وہ ان کی قابلیت کی پوری طرح آئینہ دار ہے۔ ایک شخص صرف اس ایک کتاب کے مطالعہ سے سرسید کے سارے افکار و نظریات سے آشنا ہو سکتا ہے۔

(ادارہ)

## اعلان

ذکر ترجمان القرآن میں پچھلے سالوں کے چند پرچے برائے فروخت موجود ہیں۔ ضرورت مند حضرات کی سہولت کے لیے ان کی قیمت میں پچاس فیصدی رعایت کر دی گئی ہے۔ نا امل رکھنے کے خواہشمند حضرات فری تو جہ فرمائیں۔

۱۔ جون ۱۹۵۸ء	جلد ۳۱	عدد ۲	۶۔ اگست ۱۹۵۹ء	جلد ۳۲	عدد ۳
۲۔ جولائی ۱۹۵۸ء	ء	۳	۷۔ ستمبر ۱۹۵۹ء	ء	۴
۳۔ اگست ۱۹۵۸ء	ء	۴	۸۔ نومبر ۱۹۵۹ء	ء	۶
۴۔ ستمبر ۱۹۵۸ء	ء	۵	۹۔ دسمبر جنوری ۱۹۵۹-۵۰ء	جلد ۳۳	عدد ۳۲، ۱
۵۔ جون و جولائی ۱۹۵۹ء	جلد ۳۲	۲، ۱	۱۰۔ مارچ ۱۹۵۹ء	ء	۴